جناب مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف

فتاوی

سوال : آج کل عدالت کے ذریعے جو نکاح فسخ کروایا جاتا ہے اور اس پر فیصلہ بھی یک طرفہ ہوتا ہے، کیا اس حکم و فیصلہ سے طلاق شرعی وارد ہو جاتی ہے؟ اس طرح وہ عورت آگے نکاح کر سکتی ہے؟ کتنا عرصہ بعد نکاح کرے؟ بینوا توجروا من اللہ تعالیٰ رحمکم اللہ تعالیٰ فی الدارین!

(سائل محمد یوسف لائل پور)

الجواب بعون الوہاب، الیہ المرجع والمآب

اقول وباللہ التوفیق وبہ استعین لاحول ولا قوۃ الا باللہ المبین!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں اپنی گذارشات سے قبل ایک ضروری تمہید اٹھائی جائے اور وہ یہ ہے کہ ازدواجی معاملات میں دو چیزیں سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں :

۱- اخلاق و عفت کی حفاظت - جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت وضاحت کرتی ہے ،

"وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ" (نساء رکوع ۴)

کہ حرام شدہ عورتوں کے علاوہ باقی سب عورتیں تم پر حلال کی گئیں بشرطیکہ شہوت رانی مقصد نہ ہو بلکہ نکاح میں لانے کے لئے تم اموال کے بدلے میں ان کو حاصل کرنا چاہو!

اور دوسری آیت میں ہے :

"فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ

مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ط

کہ "تم ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور مناسب طریقہ سے ان کے مہر ادا کرو تاکہ وہ پاکدامن بنیں نہ کہ علانیہ یا چوری چھپے بدکاری کرنے والیاں"

نیز فرمایا:

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط

یعنی کسی عورت کو معلقہ نہ چھوڑو۔

۲- دوسرا مقصد مودت و رحمت ہے۔ مغربی نظریہ کے علی الرغم اسلام نے نکاح کو پاکیزہ محبت کا ذریعہ قرار دیا ہے اور زوجین بنائے ہی اس لئے گئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے آرام و سکون کا باعث بنیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً"

کہ "اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہی سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی ہے"

اسی طرح فرمایا:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط

کہ عورتیں تمہارا لباس اور تم ان کا لباس ہو۔

گویا اس آیت میں بھی یہی مضمون سمویا گیا ہے۔

اور آیۂ ذیل میں بھی یہی ارشاد ہے:

"فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ط

کہ "یا تو بھلے طریقہ سے ان کو اپنے پاس رکھا جائے اور یا پھر خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو رخصت کر دیا جائے"

——— پھر "عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" جیسی جامع کلام، فرحت الیتام بھی اسی سلسلہ کی ایک مضبوط قانونی دستاویز ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ"

نیز:

"خیارکم خیارکم بالنساء"

یہ دونوں حدیثیں بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں ـــــ پس انہی دو اہم اور پاکیزہ مقاصد کے حصول کے لئے شادی رچائی جاتی ہے اور اس راہ کی کٹھن سے کٹھن رکاوٹوں کو بصد خوشی برداشت کر لیا جاتا ہے - اگر کوئی جوڑا ان مقاصد کے حصول میں ناکام ہو جائے تو اس کی مثال اس درخت کی سی ہے جس کی نشو و نما پر انتہا کی محنت کی گئی ہو لیکن اس کے بارآور ہونے کی کوئی توقع نہ ہو - لہٰذا ایسے جوڑے کو ایک دوسرے کے ساتھ چپکائے رکھنے میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہے اور بہتر یہی ہے کہ ایسے جوڑے کے بندھن کھول دیئے جائیں - چنانچہ اسلام نے میاں بیوی کو اپنے اپنے حقوق کے پورا نہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے سے گلو خلاصی کرانے کی اجازت و رعایت قانونی طور پر دے رکھی ہے - مرد کے اس حق کو اسلام نے طلاق سے تعبیر فرمایا ہے اور عورت کے حق کا نام خلع اور فسخ رکھا ہے -

اگر کوئی عورت اخلاقی دباؤ کو پس پشت ڈال کر اور خاندانی رسم و رواج کی پروا نہ کرتے ہوئے (خواہ بلاوجہ) اپنے خاوند سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے اور یہ شوہر اگرچہ کتنا ہی حسین و جمیل، غنی اور تونگر، شریف و متین، زیرک و دانا، صاحب حسب و نسب، تنومند، بے عیب و بے داغ، نرم خو، متحمل اور منصف کیوں نہ ہو، عورت کے اس حق کو پاؤں تلے روندا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کے مطالبہ کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اس کا اساسی حق ہے - اور پھر اگر ایسی عورت کو اسی خاوند کے ساتھ نباہ کرنے کے لئے مجبور بھی کر دیا جائے تو بھی وہ عورت ان بنیادی مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی - اس کے دل کی دنیا سدا اجڑی رہے گی - اور اس کی سکون ناآشنا زندگی سکون حاصل کرنے کے لئے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرتے پر اتر آئے گی اور ایسی صورتوں میں جو مفاسد جنم لیں گے وہ فسخ، خلع، طلاق اور تفریق کی قباحتوں (جن کو قباحتیں سمجھ لیا گیا ہے) سے کئی گنا زیادہ مسموم اور ہولناک ہوں گے - افسوس کہ میری قوم بھی اس مہلک مرض میں سختی سے مبتلا ہے - یا للعجب والی اللہ المشتکیٰ! ـــــ

ـــــ معاشرہ کو متعفن کرنے والے عوامل میں سے یہ بھی ایک اہم عامل ہے - اور جس کے اثرات بد

سے انکار ممکن نہیں! ——— اب ہم آپ کے سوال کی طرف آتے ہیں، اس کی تین شقیں ہیں:

(ا) کیا حاکم کے یک طرفہ فیصلہ سے طلاق شرعی وارد ہو جاتی ہے؟

(ب) اگر یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے تو کیا وہ عورت آگے نکاح کر سکتی ہے؟

(ج) ایسی عورت کتنی مدت کے بعد نکاح کرے؟

جواباً عرض ہے کہ عورت جب بندِ نکاح سے خلاصی حاصل کرنے کی سعی کرے تو اسے طلاق نہیں کہتے بلکہ شرعی اصطلاح میں اسے خلع، فسخ نکاح اور افتدار کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اگر مرد اپنے گلے سے اس بندھن کو اتارے تو اس کا نام طلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ فعل طلاق کو شوہر کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً:

۱۔ "اذا طلقتم النساء" "فان طلقها" "ان عزموا الطلاق" "بیدہ عقدۃ النکاح" وغیرہ وغیرہ

۲۔ عورت کو اسلام نے اپنا حق استعمال کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر عورت پر کوئی پابندی لگائی ہے تو وہ قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ہے مثلاً:

"لا تسئل المرأۃ زوجها الطلاق فی غیر کنهه فتجد ریح الجنة" (ابن ماجہ ص۱۴۸)

اسی طرح ابو داؤد میں ایک روایت (ص۳۰۳) ہے اور ابن کثیر ج۱، ص ۲۷۳ میں بہت سی احادیث اس اخلاقی پابندی کے سلسلہ میں وارد ہیں (جن کا صرف حوالہ ہی ہم اختصار کے پیش نظر دینے پر اکتفا کر رہے ہیں)

بہرحال ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عورت ان اخلاقی قیود کو پھاند جائے یا انکی پروا نہ کرے تو اسلام مزید کوئی قانونی پابندی اس پر نہیں لگاتا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں علیحدگی کا کوئی فیصلہ یک طرفہ ہی ہو سکتا ہے جو یقیناً جائز اور شرعی ہوگا۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس کی بیوی حبیبہ بنت سہل اور اس کی دوسری بیویوں کے درمیان فیصلے کئے تھے اور قرآن مجید کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا ایسا فیصلہ، شرعی ہوگا جیسے ارشاد ہے:

"فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ"

کہ اگر تم اس بات سے ڈرو کہ وہ (مرد و عورت) اللہ کی حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے تو ان پر گناہ نہیں، اگر عورت فدیہ دے"

اس آیت میں زوجین کا ذکر صیغہ غائب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لہٰذا "خِفْتُمْ" سے مراد ظاہر ہے میاں بیوی نہیں ہو سکتے بلکہ اولی الامر مراد ہوں گے۔

اسی طرح اگر ان مقدمات کو دیکھا جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے ادوار مبارک میں پیش ہوئے تو ان میں بھی ہمیں "خَلِّ سَبِيْلَهَا"، "فَارِقْهَا"، اور "طَلِّقْهَا"، کے الفاظ ملیں گے جو ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہیں کہ قاضی کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ لعان اور مفقود الخبر کی صورتوں میں تو سب کے ہاں قاضی کا فیصلہ حجت مانا جاتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"ولنا ان ثبوت الحرمة يفوت الامساك بالمعروف فيلزمه التسريح باحسان فاذا امتنع ناب القاضى منابه دفعا للظلم" (هدايه، ج ۱، ص ۲۹۴)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ قاضی کا فیصلہ، شرعی فیصلہ ہوگا۔

علماء نے ان آیات کی رو سے بھی عورت کو فسخ نکاح کا حقدار قرار دیا ہے:

"وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ"

نیز:

"لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا"

اور ایک حدیث "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" بھی ہے، جسے احمد، ابن ماجہ اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور شیخ شرف الدین دہلوی مرحوم نے کہا ہے کہ "رجاله ثقات" کہ اس کے رجال ثقہ ہیں! ——— اور

حاکم کے ایسے فیصلہ کو فسخ نکاح سمجھا جائیگا کیونکہ ہمارے نزدیک "خلع" دراصل "فسخ نکاح" ہی ہے مگر خلع میں عورت کو علیحدگی کے لئے کچھ ادا کرنا پڑتا ہے اور فسخ نکاح میں کچھ واپس کرنا نہیں پڑتا جبکہ وہ اس کی مستطیع نہ ہو

(ب) پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ حاکم کا یہ فیصلہ "شرعی" ہوگا تو پھر آگے نکاح کرنے پر کسی طرح کی پابندی کا سوال ہی فضول ہے۔ اب اسے شریعت کی طرف سے نئے نکاح کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے ہاں اگر وہ دوبارہ آپس میں سر جوڑ بیٹھیں اور بہتری کی کوئی نمایاں صورت ابھر آئے تو انہیں، دوبارہ نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیت سے ظاہر ہے:

"فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ"

کہ "انہیں اس بات سے منع روکو کہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں"۔

اور یہ قول متفقہ ہے جس میں کسی کے اختلاف کا ذکر نہیں (ابن کثیر صفحہ ۲۷۶، ج ۱)

(ج) رہا یہ سوال کہ وہ کتنی عدت گذار کر نیا نکاح کرے، تو اس مسئلہ میں علماء کے دو قول مشہور ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ وہ تین مہینے یا تین حیض عدت گذارے اور پھر نکاح کرے۔ چنانچہ ابن کثیر میں ہے:

"ذهب مالك وابوحنيفة والشافعى (فى الجديد) واحمد واسحاق فى رواية عنهما وهى المشهور ان المختلعة عدتها عدة المطلقة بثلاثة قروء ان كانت ممن تحيض وروى ذالك عن عمر وعلى وابن عمر وبه يقول سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار وعروة وسالم وابو سلمة وعمر بن عبد العزيز وابن شهاب والحسن والشعبى وابراهيم النخعى وابو عياض وخلاس بن عمر وسفيان الثورى والاوزاعى والليث بن سعد وابو العبيد قال الترمذى وهو قول اكثر اهل العلم من الصحابة وغيرهم والقول الثانى . . . .

. . " وهو قول ابن عباس، عثمان بن عفان وابن عمر وطاؤس وعكرمة واحمد بن حنبل والشافعى (القديم) واسحاق وداؤد بن على الظاهرى وابان بن عثمان"

کہ "قول اول تو یہ ہے کہ خلع والی کی عدت مطلقہ کی عدت کے برابر یعنی تین حیض ہے . . . . اور دوسرا قول یہ ہے کہ استبراء رحم کے لئے صرف ایک حیض ہی کافی ہے"

اب ان ہر دو اقوال میں سے کون سا اصح ہے؟ تو دلیل کی رُو سے دوسرا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ خلع اصل میں فسخ ہے، طلاق نہیں! جیسے حبیبہ بنت سہل کی روایت کے تحت صاحب عون المعبود لکھتے ہیں کہ:

"قال الخطابى فى هذا الحديث دليل على ان الخلع فسخ وليس بطلاق ولو كان طلاقا لا تقتضى فيه شرائط الطلاق ووقوعه فى طهر لم تمسس فيه المطلقة

ومن کونہ صادرا من قبل الزوج وحدہ من غیر مرتبانة المرأة فلما لم یتعرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحال واذن لہ فی مخالعتہا فی مجلسہم وذالک دل علی ان الخلع فسخ ولیس بطلاق والی ھذا ذھب ابن عباس "الخ (عون المعبود، ج ۲، ص ۲۳۲، تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۵، ص ۲۸۶، ج ۱)

یعنی خلع اصل میں فسخ ہے، طلاق نہیں۔ اور اگر یہ طلاق ہوتا تو اس میں طلاق کی شرائط وغیرہ ہوتیں بلکہ واضح فرق یہ ہے کہ طلاق عورت کی رضامندی کے بغیر مرد کی طرف سے ہوتی ہے جبکہ خلع عورت کی طرف سے ہوتا ہے اور اس میں مرد کی رضامندی لازمی نہیں ہوتی۔

"وقال الخطابی فی المعالم ھذا ادل علی ان الخلع فسخ ولیس بطلاق لان اللہ تعالی قال "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء" فلو کانت ھذہ مطلقة لم یقتصر لہا علی قرء واحد" (تحفة الاحوذی، ص ۲۱۶، ج ۲)۔

ہمارے نزدیک یہ دوسرا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسے:

"عن ابن عباس ان امرأة ثابت بن قیس اختلعت من زوجھا فامرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تعتد بحیضة" (ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۰۳، ترمذی مع التحفة ص ۲۱۶، ج ۲، ابن کثیر ص ۲۸۶، ج ۱)

اسی طرح ربیع بنت معوذ کی روایت بھی اسی کے حق میں ہے اور ابن کثیر نے بہت سی روایات اور بھی تحریر فرمائی ہیں (تفصیل کے لئے اس کی طرف مراجعت فرمائی جائے) نواب صدیق حسن خان نے بھی فتح البیان میں فرمایا ہے کہ حق یہی ہے کہ سنت صحیحہ مخصص عموم قرآن ہے۔ فتاویٰ نذیریہ اور ثنائیہ میں تین حیض عدت قرار دی گئی ہے مگر مذکورہ صحیح روایات کے ہوتے ہوئے راقم کے نزدیک کسی بزرگ کا قول قابل التفات نہیں ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔